اللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیثِ

نضر الله امرأ سمع منا
حدیثاً فحفظه حتى يبلغه

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ جون 2007ء

ماهنامه

حضرو

- عقیدۂ تقدیر اور بال کی کھال.....!
- مسجد میں دوسری جماعت کا حکم
- مرزا قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹ
- مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ
- امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ سے محبت

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

حضرو، اٹک: پاکستان

احسن الحدیث حافظ ندیم ظہیر

آیتِ پردہ

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ز وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ جایا کرو، کھانے کے لئے (بھی اجازت کے بعد جاؤ) نہ کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے لگو۔ البتہ جب تمھیں (کھانے پر) بلایا جائے تو آؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں دل لگائے وہیں بیٹھے نہ رہو۔ بلاشبہ تمھاری یہ بات نبی کے لئے تکلیف دہ ہے مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا اور جب تمھیں ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ تمھارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ (ہی جائز ہے) کہ تم ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔ تم خواہ کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الاحزاب:۵۳، ۵۴)

فقہ القرآن: اس آیت کے شانِ نزول میں درج ذیل احادیث مروی ہیں:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس آیتِ پردہ (کے شانِ نزول) کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں، جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور وہ آپ کے ساتھ آپ کے گھر ہی میں تھیں تو آپ نے کھانا تیار کروا کر لوگوں کو (ولیمے کی) دعوت دی۔ (کھانے سے فارغ ہونے کے بعد) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) باہر جاتے اور (کبھی) اندر تشریف لاتے۔ (تا کہ لوگ اُٹھ جائیں) لیکن لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تو (پھر) یہ آیت نازل ہوئی ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْ خُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ ....﴾ إلٰی قوله من وراء حجاب پس پردہ ڈال دیا گیا اور لوگ اٹھ کر (چلے) گئے۔ [صحیح بخاری: ۴۷۹۲، صحیح مسلم: ۱۴۲۸ (۳۵۰۵)]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رات کے وقت مناصع کی طرف قضائے حاجت کے لئے جاتیں اور وہ [مناصع] ایک کھلا میدان ہے۔ تو سیدنا عمر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ اپنی بیویوں کو پردہ کرائیے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وحی نہ آنے کی وجہ سے) ایسا نہ کیا، ایک رات عشاء کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ سودہ بنت زمعہ جو دراز قد عورت تھیں (قضائے حاجت کے لئے) گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں آواز دی (اور فرمایا:) اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ پردے کا حکم نازل ہو، تو (اس کے بعد) اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

[صحیح بخاری: ۱۴۶، صحیح مسلم: ۲۱۷۰ (۵۶۷۱)]

اس آیت میں دو اہم حکم ہیں: ① پردہ ② اسلامی معاشرتی آداب

لہٰذا مذکورہ احادیث میں شانِ نزول کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایک ہی آیت میں دونوں حکم مذکور ہیں۔

☆ اس آیت کو آیتِ پردہ کہا جاتا ہے۔ آیت میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کیلئے خاص ہے۔ لیکن سورہ نور آیت (۲۷) کی رُو سے یہ حکم عام ہے اور تمام

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔

☆ نبی ﷺ کے کمال اخلاق کا بیان کہ اذیت برداشت کرنے کے باوجود لوگوں سے یہ کہتے ہوئے حیا فرماتے ہیں کہ اٹھ کر چلے جاؤ۔

☆ دعوت کے موقع پر پہلے سے جا کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے کہ کب پکے اور کب کھائیں بلکہ جب کھانا تیار ہو جائے تو پھر جانا چاہئے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائیں تو لمبی گپیں ہانکنے کے بجائے اپنا اور اپنے میزبان کے قیمتی وقت کے ضیاع سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے گھر کی راہ لینی چاہئے۔ قرآن مجید کا یہ حکم اپنے اندر بہت سی حکمتیں سمیٹے ہوئے ہے۔

☆ اجنبی عورت سے مخاطب ہونے کی صورت میں حجاب (پردے) کی مشروعیت واضح ہو رہی ہے اور اس میں حکمت یہ بتلائی کہ ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ کیونکہ یہ طریقہ ہر قسم کے شبہے سے بعید تر ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر یہ طریقہ امہات المومنین کے دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے تو عام عورتیں بالخصوص موجودہ دور کی عورتیں اس کی زیادہ مستحق ہیں اور جو لوگ اسے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ خاص کرنے کے درپے ہیں، ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے!

الشیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''انسان شر کی طرف دعوت دینے والے اسباب سے جتنا دور رہے گا تو یہ چیز اس کے قلب کے لئے اتنی ہی زیادہ سلامتی اور پاکیزگی کا باعث ہو گی...... بُرائی کے تمام وسائل، اسباب اور مقدمات ممنوع ہیں اور ہر طریقے سے ان سے دور رہنا مشروع ہے۔'' (تفسیر السعدی ۲۱۶۵/۳ طبع دارالسلام)

چہرے کے پردے کے دلائل اپنے مقام پر آئیں گے۔ (ان شاء اللہ)

☆ وفات النبی ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح حرام ہے اور اس حرمت کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔

تنبیہ: جن عورتوں سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا لیکن مباشرت سے قبل ہی جدائی ہو گئی، جیسے امیمہ بنت شراحیل (بخاری: ۵۲۵۶) تو قولِ راجح میں وہ امہات المومنین میں

شامل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

☆ امام بغوی رحمہ اللہ ﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''أي ذنبًا عظيمًا'' یعنی (اللہ کے نزدیک) بہت بڑا گناہ ہے۔ (تفسیر بغوی ۵۴۱/۳)

☆ کسی بھی چیز (خواہشات) کا اظہار یا وہ سینے ہی میں محفوظ رہے، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں (اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ) اس میں دلوں کی اصلاح کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

حسد اور ایک مشہور ضعیف روایت

(سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إياكم والحسد فإن الحسد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب))

حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ (خشک) لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۹۰۳)

یہ روایت (بلحاظِ سند) ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی جد ابراہیم (ابراہیم بن ابی اسید کا دادا) مجہول ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''لا يعرف'' یہ پہچانا نہیں جاتا۔

(تقریب التہذیب: ۸۵۰۳)

ایسی ایک روایت سنن ابن ماجہ میں (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (ح ۴۲۱۰)

اس روایت کا راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الحناط: متروک ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۳۱۷)

اس راوی پر یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، ابو حاتم الرازی، عمرو بن علی الفلاس، احمد بن حنبل اور دارقطنی وغیرہم نے شدید جرح کی ہے۔ دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (ج ۶ ص ۲۸۹) وسوالات البرقانی للدارقطنی (۳۸۷) اور عام کتب اسماء الرجال۔

(یاد رہے کہ حسد کرنا حرام ہے اور حسد کا رد قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن درج بالا روایت ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے بغیر جرح کے بیان نہیں کرنا چاہئے۔)

[حافظ عبدالخالق قدوسی بن حافظ عبدالمنان شاہد الحنان۔ گوجرانوالہ]

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

عقیدۂ تقدیر اور بال کی کھال......!

[۹۶] وعن عبدالله بن عمرو قال :خرج رسول الله ﷺ وفي يديه كتابان فقال :((أتدرون ما هذان الكتابان ؟)) قلنا :لا ، يارسول الله ! إلا أن تخبرنا ، فقال للذي في يده اليمنى :((هذا كتاب من رب العالمين، فيه أسماء أهل الجنة وأسماء آبائهم وقبائلهم ثم أجمل على آخرهم فلا يزاد فيهم ولا ينقص منهم أبدًا)) ثم قال للذي في شماله :((هذا كتاب من رب العالمين، فيه أسماء أهل النار وأسماء آبائهم وقبائلهم ثم أجمل على آخرهم فلا يزاد فيهم ولا ينقص منهم أبدًا)) فقال أصحابه :ففيم العمل يارسول الله !إن كان أمر قد فرغ منه ؟ فقال :((سددوا وقاربوا فإن صاحب الجنة يختم له بعمل أهل الجنة وإن عمل أي عمل وإن صاحب النار يختم له بعمل أهل النار وإن عمل أي عمل)) ثم قال رسول الله ﷺ فنبذهما بيديه ثم قال: ((فرغ ربكم من العباد فريق في الجنة وفريق في السعير)).

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہمارے پاس) تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں یارسول اللہ! اِلّا یہ کہ آپ ہمیں بتا دیں۔ آپ نے دائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ رب العالمین کی کتاب ہے، اس میں جنتیوں اور ان کے آباء وقبائل کے نام ہیں۔ پھر آخر میں انھیں بطورِ خلاصہ مجمل بیان کر دیا گیا ہے پس ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ پھر آپ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ رب العالمین کی کتاب ہے، اس میں دوزخیوں اور ان کے آباء و

قبائل کے نام ہیں۔ پھر آخر میں انھیں بطورِ خلاصہ مجمل بیان کر دیا گیا ہے، پس ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ آپ کے صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مضبوط رہو اور قربت اختیار کرو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہلِ جنت کے عمل پر ہوگا۔ اگرچہ وہ (پہلے) جو بھی اعمال کرتا رہا ہو اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہلِ جہنم کے عمل پر ہوگا اگرچہ وہ (پہلے) جو بھی اعمال کرتا رہا ہو۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور دونوں کتابیں پھینک دیں۔ پھر فرمایا: تمھارا رب اپنے بندوں (کے امور) سے فارغ ہو چکا ہے ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا۔ (الشوریٰ:۷)

اسے ترمذی (۲۱۴۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اسے احمد بن حنبل (۱۶۷/۲ ح ۶۵۶۳) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۴۷۳) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۳۴۸) عثمان بن سعید الدارمی (الرد علی الجہمیۃ: ۲۶۳) جعفر بن محمد الفریابی (کتاب القدر: ۴۵، ۴۶) بیہقی (کتاب القضاء والقدر: ۵۶، ۵۷) ابوبکر الآجری (الشریعۃ ص ۱۷۳، ۱۷۴ ح ۳۳۳، ۳۳۴) اور ابونعیم الاصبہانی (حلیۃ الاولیاء ۱۶۸/۵) وغیرہم نے ابوقبیل حی بن ہانئ المعافری عن شفی بن ماتع عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب'' اور اسے عبداللہ بن وہب (کتاب القدر: ۱۳) اور ابن جریر (تفسیر طبری ۲۵/۵) نے ابوقبیل عن شفی عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے روایت کیا ہے۔

شفی بن ماتع ثقہ راوی ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۳)

ابوقبیل حی بن ہانئ کو امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ ان پر بذریعہ ساجی امام یحییٰ بن معین کی طرف منسوب جرح ثابت نہیں ہے۔ مسند امام احمد کے ''محققین'' کا الموسوعۃ الحدیثیہ میں اسے شاذ اور جمہور کے خلاف جرح کی بنیاد پر اس روایت کو ''إسنادہ ضعیف'' کہنا غلط ومردود ہے۔

فقہ الحدیث:

① عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔ ② ہر آدمی کا اپنے باپ کی طرف منسوب ہونا صحیح ہے۔
③ ثبوت کے بعد قبائل کی طرف انتساب صحیح ہے۔
④ دونوں ہاتھوں میں دینی کتابیں پکڑنا صحیح ہے۔
⑤ چونکہ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی تقدیر میں اس کے بارے میں کیا لکھا ہوا ہے لہٰذا موت تک ہر لحاظ سے صحیح عقیدے کے ساتھ کتاب وسنت پر عمل کرتے رہنا چاہئے تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

[**۹۷**] **وعن أبي خزامة عن أبيه قال :قلت: یارسول اللہ !أرأیت رقًی نسترقیها ودواءً نتداوی به وتقاةً نتقیها هل ترد من قدر اللہ شیئاً ؟ قال :((هي من قدر اللہ)) رواہ أحمد ، والترمذي ، وابن ماجه .**

ابوخزامہ کے والد سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم دَم کرتے ہیں، دوا سے علاج کرتے ہیں اور (دیگر) حفاظتی تدبیریں اختیار کرتے ہیں، کیا ان سے اللہ کی تقدیر بدل سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ (سب بھی) تقدیر میں سے ہیں۔
اسے احمد (۴۲۱/۳ ح ۱۵۵۵۱۔۱۵۵۵۴) ترمذی (۲۰۶۵ وقال: حسن صحیح غریب) اور ابن ماجہ (۳۴۳۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ابوخزامہ کو امام ترمذی کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ نہیں قرار دیا۔ چونکہ امام ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل تھے لہٰذا جب تک کوئی دوسرے معتبر محدث ان کی تائید نہ کریں تو راوی مجہول یا مجروح ہی رہتا ہے۔ صورتِ مذکورہ میں ابوخزامہ مجہول الحال راوی ہے اور صحابی نہیں ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح ثابت کر دیا جائے تو پھر یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

[**۹۸**] **وعن أبي هریرة قال :خرج علینا رسول اللہ ﷺ، ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجهه حتی کأنما فقيء في وجنتیه حب**

الرمان فقال :((أبهذا أمرتم ؟ أم بهذا أرسلت إليكم ؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم عزمت عليكم ألا تتنازعوا فيه)) رواه الترمذي .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم تقدیر کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے تو غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا گویا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ نے فرمایا: کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں اس کے ساتھ تمھارے پاس بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے (بھی) ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اس (تقدیر) کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس بارے میں اختلاف نہ کرو۔ اسے ترمذی (۲۱۳۳ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی صالح بن بشیر المری زاہد واعظ ہونے کے ساتھ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ضعیف

(تقریب التہذیب: ۲۸۴۵)

امام یحییٰ بن معین نے اسے ''**ضعیف الحدیث**'' عمرو بن علی الفلاس اور ابو حاتم الرازی نے ''**منکر الحدیث**'' الخ قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۴/ ۳۹۶ واسانیدہ صحیحہ)

نیز دیکھئے آنے والی روایت: ۹۹

[**۹۹**] **وروى ابن ماجه نحوه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده .**

ابن ماجہ (۸۵) نے اسی طرح ''**عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده**'' کی سند سے روایت کی ہے۔

تحقیق الحدیث: ابن ماجہ والی روایت کی سند حسن ہے۔ اسے احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ (المسند ۲/ ۱۷۸) بوصیری نے زوائد میں کہا: ''**هذا إسناد صحيح**''

ابن ماجہ والی روایت کا متن یہ ہے:

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور وہ (صحابہ) تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔
گویا غصے کی وجہ سے آپ کے چہرے پر انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ نے فرمایا: اس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟ کیا تم اس لئے پیدا کئے گئے ہو؟ تم بعض قرآن کو بعض سے ٹکرا رہے ہو۔ تم سے پہلی امتیں اس وجہ سے (بھی) ہلاک ہوئی ہیں۔
عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ میں آپ کی کسی مجلس میں پیچھے رہوں سوائے اس مجلس کے یعنی کاش میں اس مجلس میں نہ ہوتا۔
تنبیہ: اس روایت کے راوی عمرو بن شعیب بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده والی سند صحیح، حسن اور حجت ہوتی ہے۔
دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ (۸/۱۸) تہذیب السنن لابن القیم (۳۷۴/۶) الترغیب والترہیب (۵۷۵/۴) نصب الرایہ (۵۸/۱) معارف السنن للبنوری الدیوبندی (۳۱۵/۳) محاسن الاصطلاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح للبلقینی (ص ۴۸۱) اور راقم الحروف کی کتاب الکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام فی الجہریۃ (ص ۳۴۔۳۷)
عبدالرشید نعمانی دیوبندی تقلیدی لکھتے ہیں: ''اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں۔'' (ابن ماجہ اور علمِ حدیث ص ۱۴۱)
جمہور محدثین کی اس توثیق کے مقابلے میں بعض لوگوں کا اس سلسلۂ سند پر جرح کرنا مردود ہے۔

فقہ الحدیث:

① تقدیر کے بارے میں اختلاف کرنا اور بال کی کھال اتارنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔
② عقیدۂ تقدیر پر ایمان واجب ہے اور کریدنے والے سوالات سے اجتناب کرنا چاہئے۔
③ کتاب وسنت کے منافی کاموں پر غصے کا اظہار بالکل صحیح بلکہ شانِ ایمان ہے۔
④ قرآن کو قرآن سے ٹکرانا (اور حدیث کو حدیث یا قرآن سے ٹکرانا) غلط و باطل ہے۔
⑤ اختلاف برائے اختلاف جس میں اصلاح کی غرض ہو نہ مقصودِ علم تو ایسا اختلاف ہلاکت کے اسباب میں سے ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

قصیدۂ بردہ کی حقیقت

سوال: امام بوصیری جن کا قصیدہ بردہ شریف مشہور ہے اور عموماً ٹی وی پر بھی نشر ہوتا ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ امام بوصیری نام کا شخص کون ہے؟ [عبدالقدوس السّلفی]

الجواب: بوصیری لقب کے دو آدمی زیادہ مشہور ہیں:

۱: حافظ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری القاہری آپ ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۴۰ھ میں اٹھتر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ حافظ بلقینی، حافظ عراقی، حافظ ہیثمی اور حافظ ابن حجر وغیرہم کے شاگرد تھے۔ آپ کی کتابوں میں زوائد سنن ابن ماجہ اور اتحاف الخیرۃ المہرۃ فی زوائد المسانید العشرۃ بہت مشہور ہیں۔ آپ کے استاد حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب انباء الغمر (۴۳۱/۸) میں آپ کی تعریف کی ہے۔ بوصیری مذکور کے حالات درج ذیل کتابوں میں موجود ہیں:

انباء الغمر ، الضوء اللامع للسخاوی (۲۵۱/۱) حسن المحاضرہ للسیوطی (۳۶۳/۱) شذرات الذہب (۲۳۳/۷) النجوم الزاہرہ (۲۰۹/۱۵) ذیل طبقات الحفاظ (۳۷۹) وغیرہ۔ وہ ''الشیخ المفید الصالح المحدث الفاضل'' تھے لیکن ان کے مزاج میں حدت تھی اور ان کے خط میں متون و اسماء کی تحریفاتِ کثیرہ تھیں۔ رحمہ اللہ

۲: محمد بن سعید بن حماد بن حسن البوصیری الولاصی، ولادت ۶۰۸ھ اور وفات ۶۹۵ھ ہے۔ یہ شخص حافظ ابن حجر و حافظ ذہبی سے پہلے گزرا ہے لیکن میرے علم کے مطابق کسی محدث نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کا ثقہ و صدوق یا موثق ہونا حدیث کے کسی قابلِ اعتماد عالم سے ثابت ہے، معلوم ہوا کہ یہ ایک مجہول الحال شاعر تھا۔

قصیدۂ بردہ میں غلو سے بھرپور اور کتاب و سنت کے خلاف اشعار موجود ہیں۔ مثلاً:

الفصل العاشر في ذكر المناجات و عرض الحاجات میں لکھا ہوا ہے:

''یا أكرم الخلق مالي من ألوذبه　　سواك عند حلول الحادث العمم

اے بزرگترین مخلوقات یا اے بہترین رسل بوقت نزول حادثۂ عظیم وعام کے آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی میں پناہ میں آؤں۔ صرف آپ ہی کا بھروسہ ہے۔''

(عطر الوردہ فی شرح البردہ، ترجمہ از ذوالفقار علی دیوبندی ص ۸۵)

یہ کہنا کہ عظیم حادثوں میں صرف نبی کریم ﷺ کی ہی پناہ اور بھروسا ہے، قرآن مجید اور صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔ (آل عمران: ۱۲۶، ترجمہ احمد رضا خان بریلوی ص ۱۰۶)

معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب مدد کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفتِ خاصہ ہے لہٰذا اس مدد کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرنا غلط ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اس آدمی کے بارے میں ارشاد مبارک ہے جو کہتا ہے یا کہے گا: ''یا رسول الله ! أغثني'' یا رسول اللہ! میری مدد کریں۔ ((لا أملك لك شيئًا)) میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ (صحیح بخاری: ۳۰۷۳ و صحیح مسلم: ۱۸۳۱)

اس صحیح حدیث کی تائید سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ سے بھی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ صحیح حدیث بذاتِ خود حجت ہے چاہے عقائد و احکام کا مسئلہ ہو یا فضائل و مناقب کا اور چاہے اس کی تائید قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہو یا نہ ہو، ہر حال میں صحیح حدیث حجت ہے۔ والحمد للہ

فائدہ: قصیدۂ بردہ میں ایک شعر لکھا ہوا ہے کہ

''فمبلغ العلم فيه أنه بشر　　وأنه خير خلق الله كلهم''

ہے ہمارے علم اور تحقیق کی غایت یہی　　تھا وہ انسان اور انسانوں میں افضل اور تم

(قصیدۂ بردہ مع ترجمہ ملک محمد اشرف نقشبندی ص ۳۲)

ترجمے میں غالباً: ''اوراتم'' کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

اس شعر میں بوصیری صاحب نے نبی کریم اور نورِ ہدایت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر اور خیر خلق الله کلهم قرار دیا ہے، جبکہ بعض لوگ بشر کے لفظ سے چڑتے ہیں۔

صحیح حدیث اور درایت

سوال: کیا یوں کہنا درست ہے کہ فلاں حدیث سنداً تو صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے یا روایتاً صحیح ہے درایتاً ضعیف ہے۔ علم حدیث کی دو (۲) اقسام بعض نصابی کتب، ایم اے اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، میں لکھی ہوئی ہیں:

۱۔ علم الروایۃ ۲۔ علم الدرایۃ

کیا یہ تقسیم محدثین کے ہاں معروف ہے یا موجودہ تجدد کی اُپج ہے۔ [عبدالقدوس السّلفی]

الجواب: اگر کوئی حدیث معلول ہونے یا شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہو تو یہ کہنا درست ہے کہ فلاں حدیث (بظاہر) سنداً تو صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ روایت علتِ قادحہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

علتِ قادحہ اور معلول ہونے کا فیصلہ صرف محدثینِ کرام اور علمِ عللِ حدیث کے ماہرین ہی کر سکتے ہیں۔

''بظاہر'' کی قید ہٹا کر کہنا کہ ''فلاں حدیث سنداً صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے یا روایتاً صحیح ہے درایتاً ضعیف ہے۔'' غلط ہے۔ جو حدیث سنداً صحیح ہو، شاذ یا معلول نہ ہو اور محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہو تو وہ ہمیشہ صحیح ہی ہوتی ہے اور اس کا متن بھی ہمیشہ صحیح ہی ہوتا ہے۔ رہا بعض بظاہر صحیح نظر آنے والی سندوں کا معاملہ جن کا متن ضعیف یا وہم ہوتا ہے تو ان کے ضعیف یا وہم ہونے کا ثبوت بذریعۂ محدثین اس روایت میں شذوذ اور علتِ قادحہ سے ملتا ہے۔

اہلِ حدیث (محدثین کرام اور ان کے عوام) کا اس پر اجماع ہے کہ صحیح حدیث کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

(۱) ہرراوی عادل ہو (۲) ہرراوی ضابط ہو (۳) سند متصل ہو (۴) شاذ نہ ہو (۵) معلول نہ ہو۔

اس پر اہلِ حدیث کا اجماع ہے۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقی (ص۲۰)

شاذ اور معلول کا تعلق درایت سے ہے۔

تنبیہ: جس راوی پر بعض محدثین کی جرح ہو اور جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق قرار دیا ہو ایسا راوی ضابط ہونے میں کمی کی وجہ سے حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ صحیح اور حسن لذاتہ دونوں حدیثیں حجت ہیں۔ والحمدللہ

علم الروایہ کی ایک شاخ علم الدرایہ (معلول اور شاذ ہونے کا علم) ہے۔

جدید دور میں بعض متجددین اور منکرینِ حدیث کا علم الروایہ کو علیحدہ اور علم الدرایہ کو علیحدہ قرار دے کر صحیح احادیث کو قرآن مجید یا بعض الناس کی عقل وغیرہ کے خلاف سمجھ کر رد کر دینا باطل ومردود ہے۔

محدثین اور تقلیدی فقہاء کا اختلاف

سوال: کیا فقہاء ومحدثین میں اصولِ حدیث یا قبولِ حدیث میں کوئی اختلاف ہے؟ سنا ہے تدریب الراوی کے اندر ایسی کوئی بحث موجود ہے کہ فقہاء کے ہاں جو معیار احادیث کے قبول کرنے کا ہے وہ محدثین سے مختلف ہے۔ اس لئے ائمہ اربعہ کا خصوصاً امام ابوحنیفہ کا محدثین سے اختلاف رہا ہے۔ (عبدالقدوس السّلفی)

الجواب: صحیح حدیث کی پانچ شرائط: عدل، ضبط، اتصال، عدمِ شذوذ اور عدمِ علتِ قادحہ پر تو سب کا اتفاق ہے۔ بعض جزوی مسائل اور فروع میں محدثین کرام اور بعض اہلِ علم کا آپس میں اختلاف ہے مثلاً:

① ثقہ کی زیادت عدمِ شذوذ کی صورت میں مطلقاً مقبول ہوتی ہے یا اسے مخالفت قرار دیا جاتا ہے۔

② بعض راویوں کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہے۔

اگر فقہاء سے تقلیدی اور فرقہ پرست فقہاء مراد نہ ہوں تو محدثین اور فقہاء ایک ہی گروہ کے مترادف صفاتی نام اور القاب ہیں، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ حدیث کے امام اور امیر المومنین فی الحدیث تھے، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''**وإمام الدنیا في فقه الحدیث**'' (تقریب التہذیب:۵۷۲۷)

یعنی امام بخاری زبردست محدث وفقیہ ہونے کے ساتھ فقہاء کے سردار تھے۔

صحیح مسلم کے مصنف امام مسلم رحمہ اللہ مشہور محدث تھے، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''**عالم بالفقه**'' فقہ کے عالم تھے۔ (تقریب التہذیب:۶۶۲۳)

یہ کہنا کہ محدثین علیحدہ ہیں اور فقہاء علیحدہ ہیں، غلط ہے۔

یہ تسلیم ہے کہ تقلیدی اور فرقہ پرست فقہاء علیحدہ چیز ہیں جو اپنی مرضی والی مرسل روایات کو حجت سمجھتے ہیں اور جب مرضی کے خلاف مرسل روایت ہو تو فوراً اسے مرسل یا منقطع کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ زمانۂ تدوینِ حدیث گزرنے کے بعد راویوں پر جرح وتعدیل کا عمل بھی ان کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً انور شاہ کشمیری دیوبندی فرماتے ہیں: ''میں نے ان لوگوں کو آزمایا ہے، یہ متناقض اصول بناتے ہیں، پس اس کے بعد ان سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے، ان میں سے کوئی شخص جب اپنے مذہب کے موافق ضعیف حدیث پاتا ہے تو یہ قانون بنا دیتا ہے کہ تعددِ طرق کی وجہ سے ضعف اٹھ جاتا ہے اور جب اپنے مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث پاتا ہے تو (فوراً) قانون بنا دیتا ہے کہ یہ شاذ ہے۔'' الخ

(فیض الباری ج ۲ص ۳۴۸، راقم الحروف کی کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۵۰)

تدریب الراوی وغیرہ کتابوں میں بہت سے صحیح وضعیف، ثابت وغیر ثابت اور موافق ومتعارض اقوال ملتے ہیں جن کا صرف ایک علاج ہے کہ ہر قول کی سند تلاش کر کے اس کی تحقیق کے بعد ہی اس سے استدلال کیا جائے اور غیر ثابت ہونے کی صورت میں اسے مردود اور ناقابلِ حجت قرار دے کر پھینک دیا جائے۔

تنبیہ: تقلیدی فقہاء کے نام نہاد اصول کا ثبوت باسند صحیح ائمہ اربعہ سے نہیں ملتا مثلاً

بعض الناس کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یا امام مالک کے نزدیک مرسل حجت ہے حالانکہ اس بات کا کوئی ثبوت باسند صحیح یا حسن موجود نہیں ہے۔ تقلیدی فقہاء کی خواہشاتِ نفسانیہ کو چھوڑ کر اگر مسلّم عندالفریقین محدثین وفقہائے محدثین کی طرف رجوع کیا جائے تو حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا مسئلہ فوراً حل ہو جاتا ہے اور اسی میں نجات ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۴ فروری ۲۰۰۷ء)

سوال: السلام علیکم، آپ کی خدمت میں روزنامہ ایکسپریس مورخہ ۲۳ فروری ۲۰۰۷ء کا تراشہ بھیج رہا ہوں۔ اس میں مفتی منیب الرحمٰن نے ''مسجد میں جماعت ثانی کا حکم'' کے عنوان سے ایک سوال کا تفصیلاً جواب دیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ صحیح احادیث کی روشنی میں، جماعت ثانی کے متعلق دیئے گئے جواب پر تفصیلی روشنی ڈالئے تا کہ نماز جیسے اہم رکن کے متعلق Confusion (پریشانی) دور ہو سکے۔ (اشفاق احمد ملک، راولپنڈی)

منیب الرحمٰن صاحب کا مضمون مع سوال وجواب درج ذیل ہے:

''مسجد میں جماعت ثانی کا حکم

مفتی منیب الرحمٰن

سوال: ہم یہ دیکھتے چلے آئے ہیں کہ مسجد میں ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت بھی کی جاتی ہے، لیکن میں نے مسجد بلال ماڑی پور میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ مسجد میں دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ وضاحت فرما دیجیے۔ (سید صفی اللہ شاہ، گڑھی نواب، بٹگرام)

جواب: نبی کریم ﷺ نے نماز با جماعت کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں اور ترک جماعت پر وعید بھی فرمائی ہے۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، ''منافقین پر سب سے زیادہ دشوار، عشاء اور فجر کی نماز ہے۔ اگر ان لوگوں کو ان نمازوں کا ثواب معلوم ہو جائے تو انھیں پڑھنے ضرور آئیں گے، خواہ انھیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر چند لوگوں کے ساتھ لکڑیوں کا گٹھر لے کر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں نہیں آتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔'' (صحیح مسلم)

بشری تقاضے کے تحت اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر جماعت چھوٹ جائے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے جماعت کے اجر کا اہتمام فرمایا اور ترغیب دی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (مسجد نبوی میں) آیا، رسول کریمؐ نماز پڑھ چکے تھے (یعنی جماعت ہو چکی تھی) تو (رسولؐ نے) فرمایا، ''کون ہے جو اس کے ساتھ (جماعت کے ثواب کی) تجارت کرے؟''

توایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس شخص کے ساتھ (نفل کی نیت کر کے باجماعت) نماز پڑھی۔(سنن ترمذی)

اسی طرح رسول پاک ؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا'' کوئی شخص ہے جو اس پر (جماعت کے ثواب کا) صدقہ کرے اور اس کے ساتھ (نفل کی نیت کر کے باجماعت) نماز پڑھے؟(سنن ابی داؤد)

مسجد میں جماعت ثانی کے متعلق علامہ نظام الدین لکھتے ہیں،'' مسجد میں جب امام مقرر ہو اور پابندی سے جماعت ہوتی ہو اور وہاں کے رہنے والے باجماعت نماز پڑھتے ہوں تو ایسی مسجد میں اذانِ ثانی کے ساتھ جماعت ثانیہ جائز نہیں ہے البتہ جب وہ بغیر اذان کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تو بالاتفاق دوسری جماعت جائز ہے، جیسے شارعِ عام کی مسجد میں جائز ہے۔''(فتاویٰ عالمگیری)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:'' مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ ہے، مگر جو مسجد شارع عام پر ہو یا جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں (اس میں جماعتِ ثانی مکروہ) نہیں ہے۔''

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:'' مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت کی تکرار مکروہ ہے، مگر اس صورت میں کہ پہلے غیر محلّہ والوں نے وہاں اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرائی ہو یا اہل محلّہ نے آہستہ اذان دے کر جماعت کروائی ہو (مکروہ نہیں ہے) اور اگر اہل محلّہ نے اذان واقامت کے بغیر جماعت کی تکرار کی تو یہ بالاتفاق جائز ہے یا اگر مسجد شارع عام پر ہے تو (جماعتِ ثانی) بالاتفاق تکرار جماعت جائز ہے، جیسا کہ اس مسجد کا حکم ہے، جس کے لئے امام ومؤذن مقرر نہ ہو اور لوگ اس میں گروہ در گروہ نماز ادا کرتے ہوں، وہاں افضل یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی اذان واقامت کے ساتھ الگ الگ نماز پڑھے۔'' فقہائے احناف کا معتمد مذہب یہ ہے کہ دوسری جماعت اذان کے اعادے کے ساتھ مکروہ ہے اور بلا اعادۂ اذان دوبارہ جماعت کرانے میں کوئی ہرج نہیں، جب کہ وہ جماعتِ ثانی جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو۔

علامہ ابنِ عابدین شامی لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ جب جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، یہی صحیح ہے اور محراب سے ہٹ کر ادا کرنے سے ہیئت بدل جاتی ہے۔

امام احمد رضا قادری نے ایک ہی مسجد میں جماعتِ ثانیہ قائم کرنے کے مسئلے پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں آپ نے تقریباً 12 ممکنہ صورتیں اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں آج کل کے حالات کی مناسبت سے چند اہم صورتیں یہ ہیں:

(1) جو مسجد شارع عام، بس اسٹینڈ، ریلوے اسٹیشن، ایئر پورٹ یا سرائے وغیرہ کی ہے، جہاں لوگوں کے قافلے آتے جاتے رہتے ہیں، وہاں نئی اذان واقامت کے ساتھ کسی کراہت کے بغیر تکرار جماعت جائز ہے۔

(2) ایک مسجد کسی محلے یا بستی کے لئے ہے، وہاں کچھ اجنبی لوگ یا مسافر اذان واقامت کے ساتھ

جماعت کر کے چلے گئے تو اہل محلّہ کے لیے دوبارہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرانا جائز ہے، کیوں کہ اس مسجد میں اقامت جماعت انھی لوگوں کا حق ہے۔ جیسے اصولاً تو نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں ہے، لیکن اگر ولی کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو ولی کو اعادے کا حق ہے۔

(3) محلے یا بستی کی جماعت میں بعض اہل محلّہ نے اذان کے بغیر جماعت کرلی تو بھی وہاں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت جائز ہے۔

(4) محلے یا بستی کی مسجد میں کچھ لوگوں نے آہستہ اذان دے کر جماعت کرالی تو اہل محلّہ کا دوبارہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرانا جائز ہے، کیونکہ اذان کا اصل مقصد اعلانِ عام ہے جو آہستہ اذانِ اول سے حاصل نہیں ہوا۔

(5) امام کسی دوسرے مسلک کا ہو، مثلاً شافعی اور اس کے بارے میں ظنِ غالب یا یقین ہو کہ وہ بعض فقہی مسائل میں ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ مسلک حنفی کے مطابق وضو نہیں ہوتا، مثلاً (الف) وہ پچھنا لگوانے کے بعد نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کرتا (ب) جسم کی کسی عضو یا مقام سے خون نکل کر بہہ جانے سے دوبارہ وضو نہیں کرتا (ج) نماز کے اندر قہقہہ لگا کر ہنسنے سے نماز تو بالاتفاق فاسد ہو جاتی ہے، مگر شوافع کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، اور اب شافعی امام ایسی صورت میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے لیے وضو کا اعادہ نہیں کرتا (د) امام شافعی المسلک ہے اور وہ وضو کرتے وقت احتیاط پر عمل کرتے ہوئے چوتھائی سر یا اس سے زیادہ کا مسح نہیں کرتا، بلکہ چند بالوں کے مسح پر اکتفا کرتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں چوں کہ احناف کے نزدیک وضو یا ہوتا ہی نہیں ہے یا فاسد ہو جاتا ہے تو اس سے نماز ادا نہیں کی جاسکتی، اب اگر کہیں صورت حال ایسی ہے کہ امام شافعی المسلک ہے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اس کے مقتدی سب کے سب یا اکثر حنفی ہیں اور وہ مندرجہ بالا مسائل میں احتیاط پر عمل نہیں کرتا تو حنفی اپنی نماز کی حفاظت کے لیے جماعت ثانی کر سکتے ہیں۔

(6) پہلی جماعت میں امام ایسی قرأت کرتا ہے جو موجب فسادِ نماز ہے۔

(7) ظن غالب یا یقین کی حد تک معلوم ہے کہ پہلی جماعت کا امام توہین الوہیت ورسالت کا مرتکب ہے۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ اب محل نظر صرف ایک صورت رہی کہ مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بہ اذان واقامت بروجہ سنت امام موافق المذہب سالم العقیدہ، متقی مسائل داں، صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولیٰ خالی عن الکراہت ادا کرلی، پھر باقی ماندہ لوگ آئے، انھیں دوبارہ اس مسجد میں جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور ہے تو بہ کراہت یا بے کراہت، اس بارے میں عین تحقیق وحق وثیق وحاصل انیق ونظر دقیق واثر توفیق یہ ہے کہ اس صورت میں تکرار جماعت بہ اعادہ اذان ہمارے نزدیک ممنوع وبدعت

ہے۔یہی ہمارے امام کا مذہب مہذب وظاہر الروایہ ہے۔

متن متین مجمع البحرین، و بحر الرائق علامہ زین میں ہے کہ مسجد محلّہ میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت جائز نہیں۔(البحر الرائق)

فقہائے کرام نے ایک ہی مسجد میں ''جماعت ثانیہ'' پر اس لیے تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی کہ لوگ بلا ضرورت وبلا جوازِ شرعی اسے انتشار کا ذریعہ نہ بنائیں اور دانستہ فتنہ وتفریق بین المسلمین کا سبب نہ بنیں۔''

جواب الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، اما بعد:

آپ کا خط ملا جس میں مفتی منیب الرحمٰن کا مضمون ''مسجد میں جماعتِ ثانی کا حکم'' مطبوعہ روزنامہ ایکسپریس ۲۳ فروری ۲۰۰۷ء (جمعۃ المبارک) لف (Attached) ہے۔راقم الحروف نے اس مضمون کا مطالعہ کیا۔اس مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ نماز باجماعت کے بے شمار فضائل ہیں جیسا کہ صحیح مسلم (وغیرہ) سے ثابت ہیں۔

۲۔ اگر کسی شرعی عذر سے جماعت رہ جائے تو دوسری جماعت کا اجر ہے جیسا کہ سنن ترمذی وسنن ابی داود کی احادیث سے ثابت ہے۔

۳۔ حصکفی حنفی، ابن عابدین شامی حنفی اور احمد رضا بریلوی نے یہ کہا ہے اور فتاویٰ عالمگیری اور البحر الرائق وغیرہ حنفی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے۔!

۴۔ حنفی (وتقلیدی لوگ) اپنی نماز کی حفاظت کے لئے جماعت ثانی کر سکتے ہیں بحوالہ احمد رضا خان بریلوی۔

۵۔ مسجدِ محلّہ میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت جائز نہیں بحوالہ البحر الرائق۔

عرض ہے کہ اول الذکر: نماز باجماعت کے فضائل پر سب کا اتفاق ہے۔سوم، چہارم اور پنجم کا تعلق قرآن وحدیث کے دلائل سے نہیں بلکہ فقۂ حنفی وفقۂ بریلوی وغیرہما سے ہے جس کا جواب دینے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان اقوال وفتاویٰ کا شرعی حجت ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔دوم کے سلسلے میں عرض ہے کہ سنن ترمذی (۲۲۰) وسنن ابی داود (۵۷۴) کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو جماعت ہو جانے کے بعد اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ألا رجل یتصدق علٰی ھٰذا فیصلي معه؟))

کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو (ثواب کی تجارت کرتے ہوئے) اس آدمی پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز (باجماعت) پڑھے؟ (واللفظ لابی داود:۵۷۴)

سنن ترمذی میں اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر اس جماعت سے رہنے والے آدمی کے ساتھ مل کر نماز باجماعت پڑھی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ترمذی نے ''حسن''، ابن خزیمہ (۱۶۳۲) ابن حبان (موارد الظمآن: ۴۳۶۔۴۳۸) حاکم (۲۰۹/۱) ذہبی اور حافظ ابن حجر (فتح الباری ۱۴۲/۲ تحت ح ۶۵۸) نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ (مسجد کے امام یا انتظامیہ کی اجازت سے) دوسری جماعت بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہی قول کئی صحابہ اور تابعین کا ہے کہ جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو دوسری جماعت جائز ہے اور یہی قول (امام) احمد اور (امام) اسحاق (بن راہویہ) کا ہے۔ (سنن الترمذی ص ۶۴ باب ماجاء فی الجماعۃ فی المسجد قد صلّی فیہ مرۃ) سنن دارقطنی (۲۷۶/۱ ح ۱۰۶۸) میں اس حدیث کا ایک حسن شاہد (تائید کرنے والی روایت) بھی ہے جس کے بارے میں زیلعی حنفی نے کہا: ''وسندہ جید'' اور اس کی سند اچھی ہے۔ (نصب الرایۃ ۵۸/۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک جگہ تشریف لے گئے، وہاں فجر کی نماز باجماعت ہو چکی تھی تو انھوں نے ایک آدمی کو اذان دینے کا حکم دیا پھر انھوں نے نماز فجر سے پہلی دو رکعتیں پڑھیں پھر انھوں نے اقامت کا حکم دیا اور آگے ہو کر اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۲۱ ح ۷۰۹۳ وسندہ صحیح، وقال الحافظ ابن حجر فی تغلیق التعلیق [۲۷۷/۲]: ''ھذا اسناد صحیح موقوف'' وصحیح البخاری قبل ح:۶۴۶)

محدّث محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں جو آدمی اس (جماعتِ ثانیہ) سے منع کرتا ہے یا مکروہ سمجھتا ہے، ہمارے علم کے مطابق اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج ۴ ص ۲۱۸)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ((ولا تؤمنّ الرجل في أهله ولا في سلطانه

ولا تجلس علٰی تکرمته في بیته إلا أن یأذن لك أو بإ ذنه .)) تم کسی آدمی کے گھر میں یا اس کی سلطنت (زیرِ اختیار جگہ) میں اُس کی امامت نہ کرو اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند تکریم پر بیٹھو اِلا یہ کہ وہ تمھیں اجازت دے یا اس کی اجازت ہو۔

(صحیح مسلم:۶۷۳[۱۵۳۵])

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسجد میں اس کے امام یا انتظامیہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر دوسری جماعت نہیں کرنی چاہئے۔ راستوں پر جو مسجدیں بغیر مستقل امام کے ہیں، ان میں عرفاً ہر ایک کے لئے جماعت ثانیہ یا ثالثہ وغیرہ کی اجازت ہوتی ہے۔

تنبیہ (۱): منیب الرحمٰن صاحب کے مردود علیہ مضمون میں اور بھی کئی باتیں قابلِ رد ہیں مثلاً نبی کریم ﷺ پر پورا درود نہ لکھنا اور صرف ''ص'' لکھنا وغیرہ۔

تنبیہ (۲): راقم الحروف نے اپنی کتاب ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ اہلِ حق کو اہلِ بدعت کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ

[۴ مارچ ۲۰۰۷ء]

شذرات الذهب

سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ما ملأ آدمي وعاءً شراً من بطن ، بحسب ابن آدم أکلات یقمن صلبه فإن کان لا محالة فثلث لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه)) آدمی (اپنے) پیٹ سے زیادہ بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا، انسان کے لئے چند نوالے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں اگر (زیادہ) کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے رکھنا چاہئے۔ (سنن الترمذی: ۲۳۸۰ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح'' مسند احمد ۴/۱۳۲ ح ۱۷۱۸۶ وسندہ حسن متصل، وصححہ ابن حبان/ الاحسان: ۶۷۳۰ والحاکم ۴/۳۳۱ ح ۷۹۴۵ ووافقہ الذہبی)

ابوالزبیر مجدد بن دوست محمد خان علی زئی

حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

نبی ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کی فضیلت

[۱۱۳] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔
(صحیح مسلم:۴۰۸[۹۱۳])

فوائد:

نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا نہ صرف فضیلت والا عمل ہے بلکہ اس کے بارے میں پُر زور تاکید بھی وارد ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔
(الاحزاب:۵۶)

لفظ 'صلاۃ' کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد رحمتِ الٰہی اور اللہ کا اپنے نبی ﷺ کی ثنا بیان کرنا ہے۔ اگر فرشتوں کی طرف ہو تو مراد استغفار و دعا ہے اور یہی نسبت لوگوں کی طرف ہو تو اس سے مراد دعا اور درود وغیرہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ درود وسلام سے کون سا درود مراد ہے۔ آیا ''الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ'' والا خود ساختہ و بے اصل درود یا پھر کوئی اور....؟ درود وسلام کی وضاحت میں متعدد صحیح روایات ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ تو جان لیا کہ آپ پر سلام کیسے بھیجنا ہے، (لیکن) ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: یہ پڑھا کرو ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (صحیح مسلم واللفظ لہ:۴۰۶[۹۰۸] بخاری:۴۷۹۷)

سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ سے بشیر بن سعد نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے، پس ہم آپ پر کیسے درود پڑھیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے آرزو کی کہ وہ آپ سے سوال ہی نہ کرتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پڑھا کرو ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' اور سلام (اسی طرح ہے) جیسا کہ تم جانتے ہو۔ (صحیح مسلم:۴۰۵[۹۰۷])

سلام سے مراد نماز میں پڑھا جانے والا ''التحیات للہ و الصلوٰت ....'' ہے۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ سے درود وسلام کا تعین ہو گیا ہے۔ اب یہ اعتراض بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر لکھتے وقت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سننے کے بعد مذکورہ درود وسلام کے بجائے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے کلمات کیوں کہے جاتے ہیں؟ تو عرض ہے کہ صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنا بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے، دیکھئے صحیح مسلم (۳۹۲/۲ ح ۲۸۹۷) دوسرا یہ کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے۔

اہم تنبیہ: بعض حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھ کر صلعم یا ؐ وغیرہ کی علامت بنا دیتے ہیں، شرعی لحاظ سے یہ طریقہ قطعاً درست نہیں بلکہ مذموم ہے۔

[۱۱۴] سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر خوشی (نمایاں) تھی۔ ہم نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) ہم آپ کے چہرے پر خوشی (کے آثار) دیکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس فرشتے نے آ کر کہا:

اے محمد (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے: کیا آپ (اس بات سے) خوش نہیں ہوتے کہ جو آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں گا اور جو آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے گا میں اس پر دس بار سلامتی بھیجوں گا۔ (سنن نسائی: ۱۲۸۴، وسندہ حسن)

[**۱۱۵**] سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرما دیتا ہے۔ (سنن النسائی: ۱۲۹۸، وسندہ صحیح)

قریب الموت لا الٰہ الاّ اللہ کہنا

[**۱۱۶**] سیدنا ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب الموت لوگوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کیا کرو۔ (صحیح مسلم: ۹۱۶، ۹۱۷ [۲۱۲۳، ۲۱۲۵])

[**۱۱۷**] سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہوا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (سنن ابی داود: ۳۱۱۶ وسندہ حسن)

فوائد:

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں ''لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کی اہمیت وفضیلت کا ذکر ہے۔ پہلی حدیث کی حکمت ثانی الذکر حدیث میں ہے کہ اگر قریب المرگ تلقین قبول کر لے تو اس کا آخری کلام ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' ہو گا جو جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے۔

بعض علماء کے نزدیک قریب الموت شخص کو کلمہ کی تلقین نہیں کرنی چاہئے! اور وہ یہ احتمال پیش کرتے ہیں کہ ممکن ہے وہ شدتِ کرب واذیت کی بنا پر کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے اور اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہو! لیکن یہ صرف احتمال ہی ہے، راجح یہی ہے کہ قریب الموت آدمی کو کلمہ کی تلقین کرنی چاہئے۔

محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

اکیاونواں (۵۱) قصہ: شیر کا ابن ابی لہب کو قتل کردینے کا قصہ:

ابونوفل بن ابی عقرب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابولہب کا بیٹا لہب رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بکواس کیا کرتا اور آپ کو بددعا دیا کرتا تھا۔ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوئے اور دعا فرمائی: اے اللہ! اس پر اپنا کتا مسلط کردے۔

ابولہب شام کی طرف کپڑے کی تجارت کرتا تھا اور ان کپڑوں کے ساتھ اپنے بیٹے خدام اور معاونین کو بھیج دیتا اور کہتا: میں اپنے اس بیٹے پر محمد ﷺ کی بددعا سے خائف ہوں پس وہ اس کے ساتھ عہد و پیمان کرتے (کہ اس کی خاص حفاظت کریں گے)

وہ جب کسی منزل پر ٹھہرتے تو اس لڑکے کو دیوار کے ساتھ چمٹا لیتے اور اسے کپڑے اور سامان سے چھپا لیتے، وہ ایک عرصہ تک یہی کرتے رہے (ایک بار) ایک درندہ آیا اسے کھینچ کر نکالا اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب ابولہب تک یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا:
کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ میں اس پر محمد (ﷺ) کی بددعا سے خائف ہوں؟

(یہ ضعیف و مضطرب روایت ہے)

تخریج: دلائل النبوۃ للبیہقی (۳۳۸/۲) دلائل النبوۃ لاسماعیل الاصبہانی (ص ۲۲۰) دلائل النبوۃ لابی نعیم (ص ۴۵۴) المستدرک للحاکم (۵۳۹/۲)

جرح: اس روایت کی سند میں عباس بن الفضل ازرق راوی ہے جو متہم بالکذب ہے۔
دیکھئے میزان الاعتدال (۳۸۵/۲)

اس کی دوسری سند محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ غرض یہ روایت اپنے تمام طرق کے ساتھ ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

باونواں (۵۲) قصہ: مشرکین میں سے ایک شخص کے غارِ (ثور) تک پہنچ جانے کا قصہ:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: مشرکین میں سے ایک شخص غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے پیشاب کرنے لگا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ شخص ہمیں دیکھ نہیں رہا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے ہمیں دیکھا ہوتا تو یہ کبھی اپنی شرمگاہ ہمارے سامنے نہ کرتا۔ (یہ جھوٹا قصہ ہے)

تخریج: مسند ابی یعلی (۱/۴۷)

جرح: اس روایت کی سند مردود ہے اور اس میں دو بڑی علتیں ہیں:

① موسیٰ بن مطیر متروک الحدیث راوی ہے، اس پر کئی محدثین کی جرح منقول ہے۔

② موسیٰ کا والد مطیر بن ابی خالد ہے جو کہ متروک الحدیث، ضعیف الحدیث ہے۔ لہٰذا یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔

حوالے: میزان الاعتدال (۴/۱۲۹، ۲۳۳) الجرح والتعدیل (۸/۳۹۴) مجمع الزوائد (۶/۵۴) علامات النبوۃ للبوصیری (۱۷۱)

ترپنواں (۵۳) قصہ: ایک لمبی داڑھی والے شخص کا قصہ:

عثمان بن الاسود سے مروی ہے کہ اس نے مجاہد (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی داڑھی والے شخص کو دیکھا تو فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کیوں اپنی شکل بگاڑتا ہے؟ اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پراگندہ سر شخص کو دیکھا تو فرمایا: اس سے باز آجاؤ یا اپنے بال سنوار کر رکھو یا سر منڈالو۔

تخریج: المراسیل لابی داود (۴۴۸) اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، اس کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر اور

داڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اپنی داڑھی اور سر کے بالوں میں سے کچھ کاٹ لو۔

(شعب الایمان ۲۲۱/۵)

جرح: مراسیل والی روایت مروان بن معاویہ الفزاری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اوراس کا شاہد عبدالملک بن الحسین النخعی کے شدید ضعف کی بنا پر منکر وضعیف ہے۔

حوالے: تہذیب التہذیب (۲۴۰/۱۲)

چَونواں (۵۴) قصہ: ابوالمنذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کا قصہ:

ہشام بن الکلبی سے روایت ہے اس نے کہا کہ میں نے وہ کچھ یاد کیا جو کسی نے بھی نہیں کیا اور میں وہ کچھ بھول گیا جو کوئی بھی نہ بھولا، میرے ایک چچا تھے جو حفظِ قرآن پر مجھ پر سختی کیا کرتے تھے، تو میں ایک گھر میں داخل ہوا اور قسم کھائی کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک قرآن مجید حفظ نہ کرلوں۔ تو میں نے تین دن میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک دن میں نے آئینہ دیکھا تو میں نے اپنی داڑھی پکڑ لی تاکہ مٹھی بھر سے زیادہ داڑھی کاٹ لوں، تو میں نے ایک مٹھی سے اوپر تک کاٹ ڈالی۔ (یہ باطل قصہ ہے۔)

شیخ فوزی فرماتے ہیں:

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے فرمایا: کلبی سے متعلق جوزجانی و دیگر محدثین نے فرمایا: یہ کذاب ہے، ابن حبان نے فرمایا: دین میں اس کا مذہب و منہج اور اس میں جھوٹ کا واضح ہونا ہی کافی ہے کہ اس کی حیثیت میں غور کرنے کی کوئی احتیاج ہو۔ ابن عساکر نے فرمایا: رافضی ہے ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری و دارقطنی نے فرمایا: متروک راوی ہے۔

تخریج: تاریخ بغداد (۴۵/۱۴، ۴۶)

جرح: ہشام سخت مجروح بلکہ متہم بالکذب راوی ہے لہٰذا یہ قصہ باطل ہے۔

حوالے: سیر اعلام النبلاء (۱۰۲/۱۰) میزان الاعتدال (۸۰۴/۴) لسان المیزان (۱۹۶/۶ اجدید نسخہ ۲۶۹/۷، ۲۷۰) المجروحین لابن حبان (۹۱/۳)

پچپنواں (۵۵) قصہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے انفاق کا قصہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، آپ نے ان کے ہاں کھجوروں کا ایک ڈھیر پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال یہ کیا ہے''؟ عرض کی: کھجوریں ہیں میں انھیں ذخیرہ کررہا ہوں! آپ نے فرمایا: تجھ پر حیرت ہے اے بلال! کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ جہنم میں اس ڈھیر کے لئے بھاپ ہو؟ اے بلال! اسے (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالو اور عرش والے سے قلت کا خوف نہ رکھو۔ (یہ منکر روایت ہے۔)

تخریج: دلائل النبوۃ للبیہقی (۱/۳۴۷) الضعفاء الکبیر للعقیلی (۱/۱۵۱) حلیۃ الاولیاء (۲/۲۸۰) معرفۃ الصحابہ (۳/۸۵) المعجم الکبیر للطبرانی (۱/۳۴۱) المعجم الاوسط (۳/۸۶) مسند بزار (۴/۲۵۱)

جرح: اس روایت کی سند میں بکار بن محمد بن عبداللہ السرینی ضعیف اور صاحب مناکیر راوی تھا۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۱/۳۴۱) المغنی فی الضعفاء (۱/۱۱۱) لسان المیزان (۲/۴۴) الضعفاء لابن جوزی (۱/۱۴۷)

اس روایت کی دوسری سند مبارک بن فضالہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (التقریب: ۶۴۶۴)

معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت ضعیف ہے۔

چھپنواں (۵۶) قصہ: سیدنا ابو بکر صدیق و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا ایک خادم کے ساتھ قصہ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: عرب لوگ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے، ایک بار ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شخص تھا جو ان کی خدمت کیا کرتا تھا، یہ دونوں سو گئے جب جاگے تو خادم نے ان کے لئے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ تو ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ خادم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سو رہا ہے اور اسے جگا دیا۔ پھر انھوں نے اس خادم سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو

اوران سے عرض کرو کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور وہ (کھانے کے لئے) سالن مانگ رہے ہیں۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو (بھی) سلام کہہ دو اور کہو کہ وہ دونوں تو سالن کے ساتھ کھانا کھا چکے ہیں۔ (جب خادم نے آکر یہ فرمان سنایا) تو وہ دونوں ہی پریشان ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے آپ سے سالن مانگنے کے لئے بندہ بھیجا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ دونوں سالن کھا چکے ہیں، کس چیز سے ہم نے بطور سالن کھانا کھایا؟

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے گوشت سے (جب تم نے اس کی نیند پر تبصرہ کیا، گویا اس کی غیبت کر دی) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں اس کا گوشت تم دونوں کی کچلیوں (نوک دار دانتوں) کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔تو دونوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: وہی تمھارے لئے مغفرت طلب کرے۔ (یہ منکر روایت ہے۔)

تخریج: المختارہ للمقدسی (۱۷/۵) مساوی الاخلاق للخرائطی (ح ۱۸۶)

[تنبیہ: اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے لہٰذا شیخ فوزی کا اسے ضعیف وغیر ثابت قرار دینا درست نہیں ہے، اس روایت سے مراد غیبت کی مذمت ہے۔ حافظ زبیر علی زئی]

ستاونواں (۵۷) قصہ: ابولہب کی بیوی کا قصہ:

سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿ تَبَّتۡ يَدَآ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴾ (لہب:۱)

تو ابولہب کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی طرف آئی اس وقت آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، ابوبکر نے جب اسے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! ﷺ، یقیناً یہ ایک بدگو عورت ہے، میں اس بات سے خائف ہوں کہ یہ آپ کو (اپنی زبان سے) ایذا پہنچائے، اگر آپ یہاں سے تشریف لے جائیں (تو مناسب ہوگا)!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مجھے ہرگز نہ دیکھ پائے گی۔ وہ آگئی اور اس نے کہا: اے ابوبکر! آپ کے صاحب (ﷺ) نے میری ہجو کی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ شاعر نہیں ہیں (اور یہ کام تو شاعر کرتے ہیں) تو اس عورت نے کہا: آپ میرے نزدیک سچے ہیں اور لوٹ گئی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا اس نے آپ کو نہ دیکھا! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ مسلسل اپنے پروں سے مجھے اس سے چھپائے ہوئے تھا۔ (یہ ضعیف روایت ہے)

تخریج: مسند ابی یعلی (۱/۳۴، ۴/۲۴۶) ابن حبان (۸/۱۵۲) دلائل النبوۃ لابی نعیم (ص ۱۹۳) مسند بزار (۳/۸۳)

جرح: اس روایت کی سند میں عطا بن السائب مختلط راوی ہیں۔ (الکواکب النیرات لابن الکیال ص ۳۱۹) نیز اس روایت کا ایک شاہد ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے کیونکہ تدرس راوی مجہول ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

اٹھاونواں (۵۸) قصہ: سیدنا عمرو بن الجموح کا قصہ اپنے صنم ''مناۃ'' کے ساتھ:

محمد بن اسحٰق سے مروی ہے کہ جب انصار رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد مدینہ لوٹے تو وہاں اسلام غالب ہوا۔ ان کی قوم میں کچھ لوگ تھے جو اپنے مشرکانہ دین پر باقی تھے۔ انھی میں ایک سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بیٹے معاذ بیعتِ عقبہ میں شریک تھے اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ عمرو بن الجموح بنی سلمہ کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے اور ان کے معزز لوگوں میں سے ایک معزز شخص تھے، انھوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا تراشیدہ ایک بت رکھا ہوا تھا جسے ''مناۃ'' کہا جاتا تھا جیسا کہ اس دور کے شرفاء کرتے تھے، وہ اسے اپنا ''إلـٰـہ'' بنائے ہوئے تھے۔ اسے صاف ستھرا رکھتے، جب بنی سلمہ کے جوانوں نے اسلام قبول کیا جیسے معاذ بن جبل، اور عمرو کے بیٹے معاذ بن عمرو بھی ان جوانوں میں سے تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور بیعت عقبہ میں شامل ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

تو یہ لوگ عمرو کے بت کے پاس آتے، اسے اٹھاتے اور بنی سلمہ کے بعض گڑھوں میں سے کسی گڑھے میں اسے پھینک دیتے جس میں لوگوں کا پاخانہ گندگی وغیرہ ہوتی۔ اس میں یہ بت اوندھے منہ پڑا رہتا۔

جب عمرو صبح اٹھتے (اپنے بت کو غائب پا کر) کہتے: تمھارا ناس ہو! آج رات کس نے ہمارے ''اِلٰہ'' کے ساتھ دشمنی کی؟ پھر اسے تلاش کرتے رہتے جب وہ مل جاتا تو اسے نہلاتے، صاف ستھرا کرتے، خوشبو لگاتے پھر کہتے: اللہ کی قسم اگر میں جان لوں کہ کس نے تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں ضرور اسے ذلیل وخوار کردوں۔

جب عمرو شام کرتے اور (رات کو) سو جاتے تو یہ جوان دوبارہ اس کے بت کے خلاف اس طرح کی کارروائی کرتے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو عمرو نے ایک دن اس بت کو وہاں سے اٹھایا جہاں جوانوں نے پھینک دیا تھا۔ پھر اسے نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر کے خوشبو لگا کر رکھا اور ایک تلوار لے آئے اور تلوار اس کی گردن پر لٹکا دی اور کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ کون تمھارے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ پس اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو اس تلوار سے جو تیرے پاس ہے اسے باز رکھنا۔

جب شام ہوئی عمرو سو گئے تو جوانوں نے پھر سے اس بت کے خلاف کارروائی کی۔ اسے اٹھایا اور تلوار اس کی گردن میں لٹکی ہوئی تھی۔ پھر ایک مردار کتے کو لیا اور رسی کے ساتھ اس کو اس کتے کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر بنی سلمہ کے کسی کنویں میں اسے ڈال دیا جس میں لوگوں کی گندگی ہوتی۔ عمرو نے جب صبح کی تو بت کو وہاں نہ پایا جہاں وہ تھا، وہ بت کی تلاش میں نکل پڑے یہاں تک کہ انھوں نے اس بت کو اس کنویں میں ایک مردار کتے کے ساتھ ملا ہوا پایا۔ جب انھوں نے اس کا یہ حال دیکھا تو اپنی قوم میں سے جس نے اسلام قبول کیا تھا اس سے بات کی، اسلام قبول کرلیا اور بہت خوب اسلام قبول کیا۔ (یہ منکر روایت ہے۔)

تخریج: دلائل النبوۃ لابی نعیم (ص ۳۱۰)

جرح: یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عرض مترجم: محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہیں لیکن انھوں نے یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور نہیں دیکھا جب انھوں نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی تو انقطاع کی وجہ سے یہ روایت ضعیف و غیر ثابت ہے۔ افسوس کہ بعض لوگ مزے لے لے کر یہ قصہ بیان کرتے رہتے ہیں۔

انسٹھواں (۵۹) قصہ: سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینگی کے خون پینے کا قصہ:

عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے کہ ان کے والد عبداللہ بن زبیر نے ان سے بیان کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ سینگی لگوا رہے تھے، جب فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عبداللہ! یہ خون لے جا کر ایسی جگہ ڈال دو جہاں تمھیں کوئی دیکھ نہ سکے، (عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے نکلا تو میں نے وہ خون پینے کا ارادہ کر لیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے پی لیا۔ پس جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! تم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کی: میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا میں سمجھتا ہوں جہاں وہ لوگوں سے پوشیدہ ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! تو فرمایا: تجھے کس نے حکم دیا تھا کہ تو خون پی لیتا، تیرے لئے لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کے لئے تجھ سے۔ (یہ ضعیف روایت ہے)

تخریج: حلیۃ الاولیاء (۳۳۰/۱) مسند بزار (۱۶۹/۶) حاکم (۵۵۴/۳)

جرح: ہنید بن قاسم بن عبدالرحمٰن راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، دیکھئے الجرح والتعدیل (۱۲۱/۹) التاریخ الکبیر للبخاری (۲۴۹/۸) ان صفحات میں مذکورہ راوی پر نہ تو جرح ہے نہ تعدیل ہی ہے لہٰذا یہ مجہول الحال راوی ہے۔ نیز اس روایت کی دوسری سند بھی دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے: ابو عاصم سعد بن زیاد ضعیف ہے اور کیسان مولیٰ ابن الزبیر غیر معروف راوی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

ساٹھواں (۶۰) قصہ: نجاشی کے تحفہ کا قصہ:

ام المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح کیا تو فرمایا: میں نے نجاشی کی طرف ایک حلہ اور چند اونس مشک بھیجے ہیں میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکا ہے، سوعنقریب یہ تحفے واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔ پس اگر ایسا ہی ہوا تو یہ تحفہ آپ کے لئے ہوگا۔

اُم المومنین نے فرمایا: پس جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ایسا ہی ہوا نجاشی (تحفہ وصول کرنے سے پہلے ہی) فوت ہو گئے اور تحفہ لوٹا دیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک زوجہ مطہرہ کو ایک ایک اونس مشک دیا اور وہ حلہ اور بقیہ سارے کا سارا مشک مجھے عنایت فرما دیا۔ (ضعیف روایت ہے)

تخریج: ابن حبان (الاحسان ج ۷ ص ۲۸۶)

جرح: اس کی سند ساقط ہے اس میں دو علتیں ہیں:

① مسلم بن خالد الزنجی ہے یہ بدحافظہ وضعیف تھا۔ ② اُم موسیٰ بن عقبہ غیر معروف ہے۔

[الشیخ ابو عبدالرحمٰن الفوزی حفظہ اللہ کی تصنیف 'تبصرة أولی الأحلام من قصص فیھا کلام' کو محترم ابو الاسجد محمد صدیق رضا صاحب (کراچی) نے بڑی محنت اور ذوق کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ جو 'غیر ثابت قصے' کے نام سے اس جریدے میں قسط وار شائع ہوتے رہے اور انھیں بہت سراہا گیا۔ یوں یہ طویل سلسلہ جو ساٹھ قصوں پر مشتمل تھا، اختتام پذیر ہوا اور یہ آخری قسط تلخیص و اختصار کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ تصحیح و تنقیح میں پوری کوشش کے باوجود بعض ایسی باتیں رہ گئی ہیں جن سے ادارے کو منہجی اختلاف ہے مثلاً سلمہ الابرش پر جرح اور مبارک بن فضالہ پر تدلیسِ تسویہ کا الزام وغیرہ، مجموعی لحاظ سے یہ بہترین کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف و مترجم اور مراجعین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ حافظ ندیم ظہیر]